حکیم عبدالرحمٰن خلیق بد دہلی

قسط نمبر ۱۴

عمرو بن العاص رضؓ

وہ مجرم جس نے کوئی جرم نہیں کیا
جس کی تاریخی عظمت سیاسی اور گروہی تعصب کی نذر ہو گئی

○

افسوسناک تضاد

اس مرحلہ پر ہمیں ایک بار پھر اس حقیقت کو دہرانا پڑتا ہے کہ ہمارے یہ مورخین حضرت عمروؓ بن العاص کی سیرت نگاری میں جس قسم کی غیر مستحسن تاریخی روایات کو نہاد کار بناکر تلاش و تجسس اور تحقیق و تدقیق کا حق ادا کرتے ہیں اس کے بعد وہ عمروؓ کو بار بار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہہ کر اپنے شعور تمیزی سے کیوں تمسخر کرتے ہیں اور اپنے عقلی مقامات کا کیوں مذاق اُڑاتے ہیں!

آخر ایسے شرمناک واقعات اُن کی ذات سے وابستہ کر کے اُن کے ساتھ حسنِ ظن کی کونسی بنیاد باقی رہ جاتی ہے جو یہ اُن کو دُعائیں بھی دینے لگتے ہیں اور اُن کی مغفرت کی خواہش بھی رکھتے ہیں۔

جب اِن حضرات کا کہنا یہ ہے کہ عمروؓ ایک انتہائی چالاک سیاست دان، عظیم دغاباز، مکر و فریب کا مجسمہ، مفتری، منافق اور کذاب شخص تھا تو پھر اپنی اس منطق کے نتیجہ کو قبول کرنے سے راہِ فرار کیوں اختیار کرتے ہیں۔

کیا کسی نے کبھی ایسا بھی سُنا ہے کہ کوئی شخص اپنے مرچکے باپ کی نسبت کہے کہ اللہ بخشے

مرے اباجان بڑے ہی بدکردار تھے اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان پر رحمت کی بارش برسائے وہ اس دُنیا میں اونچے درجہ کے ملحد بے دین اور نابکار شخص گذرے ہیں۔

فرمائیے اگر کوئی ایسا کہے تو اس کی دماغی حالت کے متعلق آپ کا فتویٰ کیا ہوگا؟ آپ یقیناً اُسے زبان بردیشتہ فاتر العقل قرار دیں گے تو پھر اپنے متعلق کیا ارشاد ہے؟ جو عمرو بن العاص کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی لکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دُنیا بھر کے مکر و فریب پورے عالم کی بے ایمانیاں اور ایمان فروشیاں بھی اُن کے دامن سے باندھے چلے جا رہے ہیں۔

آخر یہ اللہ بخشے اور خدا بخشے کا کونسا مقام ہے اور یہ اُن کے لیے رحمت طلبی کا کونسا محل ہے۔

صاف بات ہے کہ اگر آپ عمروؓ کی نسبت عمروؓ دشمن راویوں کے مزخرفات کو قبول کرتے جھجک محسوس نہیں کرتے تو ان روایات کے نتیجہ میں اُبھرنے والے شواہد کو قبول کرنے سے کیوں شرماتے ہیں!

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے لیے ہمیشہ فکرمند رہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کے لیے دُعا کرتے رہتے تھے مگر جونہی انہیں یقین ہوگیا کہ (اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ) یعنی وہ خدا کا دشمن ہے تو خود خدا تعالیٰ ہی گواہی دیتے ہیں کہ تَبَرَّاَ مِنْهُ (توبہ) کہ ابراہیمؑ نے اس سے برملا اظہار بیزاری کر دیا۔

پس اگر آپ لوگ بھی عمروؓ کے زیر عنوان روافض اور خوارج کے جذبات کو تاریخی روایات قرار دے کر اپنی افسانہ پسندی اور ندرت پذیری کے لیے سامانِ تسکین بنا لیتے ہیں تو پھر روافض و خوارج کے متخرجہ نتائج کو بھی قبول فرما لیجیے ؎

جب میکدہ چھٹا تو اب پھر کیا جگہ کی قید • مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

اللہ کے بندو! آپ جو آنکھیں بند کر کے روایات کی مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے ہیں، اور آپنے جو چند جابر جعفیوں، چند واقدیوں، چند ابو مخنفوں، اور دوسرے اکا دکا باطلہ کے افسانوں کو بلا تحقیق

قبول کر کے عمروؓ کی ذات سے بے انصافی روا رکھی ہے ان کی شخصیت کو بگاڑا اور ان کی عظمت کو مجروح کر کے رکھ دینے والی مہم کی غیر شعوری طور پر ہی ہمنوائی کر ڈالی ہے۔ اس وقت کیا کرو گے جب عرصۂ محشر میں عمروؓ نے اللہ کے رسُول سے اپنی مظلومیت کی شکایت کی اور اللہ تعالیٰ سے انصاف مانگا، آپ کے علم و نظر نے ہمیشہ بال کی کھال اُتاری ہے آپ کے طائرِ فکر نے ہمیشہ آسمان کی رفعتوں کی پیمائش کی ہے مگر عمروؓ کے زیرِ عنوان آپ کی بصیرت کو کیا ہُوا، آپ کے ادراک پہ کیا گذری، آپ کی ذہانت کا پاؤں کہاں پھسل گیا، آپ کے علم کا قافلہ کہاں بھٹک گیا، آپ کے اشہبِ عقل نے کہاں گردنی کھائی، آپ کی فراست کے نوُر کو کیا ہُوا۔

آہ یہ شخص کتنا مظلوم ہے یہ کس درجہ بے دردی کا شکار ہُوا ہے۔ اس سے کتنی بے انصافی برتی گئی ہے اُف ؎

چوں بگذرد نظیریؔ خونیں کفن بہ حشر • خلقے فغاں کنند کہ ایں داد خواہ کیست

عمروؓ دشمنی کی ابتدا :

ہمارے اہلِ سُنّت مؤرخین نے غور نہیں کیا کہ اُنھوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کو ایک کامیاب تاریخی شخصیت ثابت کرنے کے لئے جو راہ اختیار کی ہے اور اپنے موقف کی تعمیر و تشکیل کے لیے جس قسم کا مسالہ استعمال کیا ہے اس نے ایک طرف تو خود ان بزرگوں کو ہی قابلِ رحم حد تک تضاد کا حامل ثابت کیا اور اُن کی صلاحیت کار کی نسبت کوئی اچھا تاثر نہیں دیا ہے، دُوسری طرف اُنھوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی بھی نہ صرف کوئی خدمت نہیں کی بلکہ اُن کی ذات اور اُن کی تاریخ دونوں کو ہی بے وقار بنا دیا ہے۔

اُن کی غیر مآل اندیشی نے ان روایات کو قبول کرتے وقت اپنی ضرورت کو صرف آرائشِ محفل اور حسنِ داستان کے اثاثہ کی فراہمی تک ہی محدود رکھا ہے ورنہ بطور ایک مؤرخ کے اُنھوں نے خود اپنے آپ سے بھی انصاف نہیں کیا۔

وُہ اگر ان روایات کی گہرائی میں اُترنے کی ادنیٰ سی کوشش بھی کرتے تو گو اُن کی طبیعت کے افسانوی رجحان کو تو ضرور مایوسی ہوتی مگر وُہ اپنے فرض کو سرانجام دینے میں

کہ تاہی کے جرم سے ضرور بچ جاتے اور اُن کے قلم کی تیغ مظلوم عمرؓ کے خونِ ناحق سے رنگین نہ ہوتی۔

عمرؓ دشمنی کا تاریخی پس منظر کوئی ایسی فراموش شدہ حقیقت نہیں ہے جو کہیں تاریخ کے نامعلوم کھنڈروں میں خوابیدہ ہو بلکہ یہ حقیقت واقعات و بیّنات اور شواہد کا ایک مربوط اور غیر منقطع سلسلہ ہے جس کے نقوش اپنے مقام پر خوب ہی نمایاں اور اُبھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عمرؓ دشمنی کی پہلی اینٹ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں ہی سبائی تحریک کے حامیوں کے ہاتھوں رکھ دی گئی تھی، جب عبداللہ بن سبا نے آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے نام پر زبردست سازش کی اور ایسے سلیقے سے مُسلمانوں کے اندر اختلافات کا بیج بویا کہ اچانک ہی حقائق کا آئینہ جذبات کے گرد و غبار سے گدلانے لگا، سیلاب جب پھوٹ نکلے تو اُس کی راہ کو روکنا بڑا مشکل کام ہے اور جب تک اُس کے مقابل میں کوئی مضبوط بند استوار ہو وُہ کتنی ہی بستیوں کو بے نشان کر چکا ہے اور کتنی ہی زندگیوں کی صف لپیٹ چکا ہوتا ہے یہی حادثہ یہاں اسلام کی تاریخ پر بھی گذرا نسلی عصبیت نے سر اُٹھایا تو جلد ہی اچھے اچھے اہلِ فکر و نظر اور ثقہ لوگ بھی بہاؤ کے ساتھ بہہ گئے اور ایک دُوسرے کو پاکر خوش ہونے کی بجائے باہمدگر کھچے کھچے رہنے لگے اور پھر اس کھنچاؤ کے زیرِ سایہ یہ فتنہ تیزی سے آگے بڑھا اور چند ہی روز میں پوری قلمرو کو محیط ہو گیا۔ اتفاق سے اس زہر کے پھیل سکنے کیلئے اب زمین بھی ہموار ہو چکی تھی۔

بنو ہاشم جو ابتدا سے ہی حکومت کو اپنا حق سمجھتے تھے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے بھی پہلے اس عنوان سے سوچنے لگے تھے مگر بوجوہ آگے نہ آسکے حالات نے اب اُن کی راہ کچھ آسان کر دی تھی اور اس وقت تک حضرت علیؓ کی افضلیت کا عقیدہ بھی قائم ہو چکا تھا جس کا وجود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود نہیں تھا (ازالۃ الخفا) حضور علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں نے شیخینؓ کے سوائے کسی تیسرے کے متعلق سوچا بھی نہیں تھا

ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مُسلمانوں نے جب کبھی اس عنوان سے گفتگو کی کہ امت میں سب سے بہتر کوئی ہے تو ہمیشہ پہلے ابوبکرؓ کا نام ہی سامنے آیا اور اُن کے بعد لوگ عمرؓ کا ذکر کرتے

تھے ۔ (بخاری) البتہ حضور کی زندگی کے آخری زمانہ میں[1] شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے بعد افضلیت کے اعتبار سے بعض لوگ حضرت عثمانؓ کا نام لینے لگے تھے۔ (بخاری) اور بعض کے نزدیک تیسرا نام حضرت علیؓ کا تھا (ابو یعلیٰ) مگر یہ مسئلہ امت میں متنازعہ فیہ تھا البتہ شیخین کی افضلیت بلا اختلاف سب کو مسلم تھی (بخاری)

پس شیخینؓ کی موجودگی میں تو کسی تیسرے شخص کو اختیار کرنے کا سوال ہی خارج از بحث تھا۔ مگر جب یہ دور گذر گیا تو فاروقِ اعظمؓ کی وفات کے بعد حضرات علیؓ اور عثمانؓ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا سوال پیدا ہوا مگر بالآخر اُن لوگوں کی رائے غالب آگئی جو حضرت علیؓ پر حضرت عثمانؓ کو ترجیح دیتے تھے۔"

تاریخی روایات کے بقول اگرچہ بنو ہاشم نے حضرت علیؓ سمیت اس مرحلہ پر بھی سخت احتجاج کیا مگر لوگوں نے اس احتجاج کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اگرچہ حضرت علیؓ کی یہ محرومی بقول تاریخ اُن کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی مگر تعجب ہے کہ تاریخ نے ایسے تمام ہی مراحل پر ان کی ذات سے کچھ ایسی باتیں منسوب کی ہیں جن کو مان لینا کسی تاویل و توجیہ کے بغیر ممکن نہیں ہے کیونکہ اس سے اُن کی ثقاہت مجروح ہوتی ہے اُن کی عظمت پر داغ آتا ہے وہ اُن کے مرتبہ سے میل نہیں کھاتیں اور وہ اُن ایسا اُونچا مقام رکھنے والے آدمی سے یکسر ناہموار ہیں بنا بریں ہم یہ مان لینے پر آمادہ نہیں ہیں کہ علیؓ نے وہی کچھ کیا ہو گا جو اُن کی طرف منسوب کیا گیا ہے ہم ان کی کوئی تاویل کریں گے اور اس عنوان سے تو ہمارے بعض علمائے حدیث یہاں تک جانے کو بھی تیار ہیں کہ اگر کسی تاویل سے بھی بات نہ بنے تو ہم راویوں کو جھٹلا دیں گے (نووی) اور اگر بالفرض کسی سند صحیح کی وجہ سے ایسی باتوں کو تسلیم کرنے کی مجبوری ہی ہو تو ہم کہیں گے کہ یہ باتیں وقتی جذبات اور صدمہ کا بشری ردعمل ہے جو ابھرا اور ختم ہو گیا۔

مگر ہم یہ کبھی تسلیم نہیں کریں گے کہ علیؓ ایسے حالات کے اثر سے کسی سازش سے بھی کبھی ملوث رہے ہوں یا اُنھوں نے کبھی مسلمانوں کے کسی خلیفہ کو معزول کر کے اپنی حاکمیت کو قائم کرنے کا

---

[1] ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہؒ

خیال بھی کیا ہو کیونکہ ہم اپنی آنکھوں دیکھتے ہیں کہ اُنھوں نے جب حضرت اُبوبکرؓ سے بیعت کی تو آخر تک اُن کے پُرجوش ساتھی اور مخلص و فادار بن کر رہے پھر حضرت عمرؓ سے بیعت ہُوئے تو نہ صرف ان کے بہترین مشیر بنے بلکہ ان کے ممدوح کا مقام بھی پایا۔

وہ عثمانؓ سے منسلک ہُوئے تو ساری انتخابی رنجشیں بھُلا کر اُن کے ممد و معاون رہے کبھی اختلاف بھی ہُوا اور اگرچہ اس کا اظہار بھی کیا مگر اُن کے خلاف نہ کوئی مہم چلائی اور نہ کسی مہم کی حمایت ہی کی ۔ عثمانؓ دُشمن فتنہ کار اگرچہ عثمانؓ کے خلاف اپنی مہمات میں حضرت علیؓ کے نام سے ہی فائدہ اُٹھاتے تھے اور نظریہ ظاہر اُن کی تحریک حضرت عثمانؓ کو معزول کر کے حضرت علیؓ کو ہی برسرِ اقتدار لانے کے لئے تھی مگر یہ امر بالکل واضح ہے کہ ایسی کسی تحریک کو حضرت علیؓ کی نہ تائید حاصل تھی نہ حمایت اور عثمانؓ دُشمن لوگ بھی یہ سب کچھ علیؓ کی محبت کی وجہ سے نہیں کر رہے تھے بلکہ اُن کے نزدیک ان کی کامیابی کے لئے نزدیک تر راستہ یہی تھا کہ وہ عثمانؓ کے خلاف علیؓ کے نام پر لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کریں۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے انعقاد کے مرحلہ پر اُن کے علاوہ ایک حضرت علیؓ ہی تو تھے جن کو تاریخ نے اُن کا مدمقابل بتایا ہے اور اب جب حضرت عثمانؓ کے خلاف غلط سلط باتیں اور جھُوٹ داستانیں تصنیف کر کے اُن کے دُشمنوں نے لوگوں کو اُن کے خلاف آمادہ کر دیا تو ظاہر ہے کہ اُن کے مقابلہ میں اب لوگ حضرت علیؓ کے نام پر ہی بآسانی جمع کئے جا سکتے تھے پس اگر عبداللہ بن سبا نے اپنی اس تحریک کا ماٹو حضرت علیؓ کی خلافت اور محبتِ اہل بیت کو بنایا تھا تو اُس کا یہ فعل ناقابلِ فہم نہیں ہے ، ظاہر ہے کہ بنوہاشم کے حق میں اہل بیت کے نام پر حالات کا یہ خوشگوار تغیر سراسر سلبی ہی تھا اور اس کی بنیاد کسی مثبت یا تعمیری جذبہ پر نہیں تھی اور اس وقت کے اہل فکر و فہم بھی متشوش تھے کہ عثمانؓ کے خلاف اُٹھنے والا یہ طوفان صرف حضرت عثمانؓ کے فیصلہ تک پہنچ کر ہی نہیں رُک جائے گا بلکہ اس کا خاتمہ دراصل کسی نئے طُوفان کی تمہید ثابت ہوگا۔

اور اُس کا یہ ایک بنیادی سبب تھا جو دُوسرے بے شمار اسباب کے مقابلہ میں زیادہ قوی تھا کہ بنو ہاشم کے سوائے قریش کے دُوسرے قبائل حضرت علیؓ کی قیادت کو بامرمجبوری

قبول کر رہے تھے ورنہ وہ آج بھی اپنی رضامندی کو حضرت علیؓ کی ذات کے ساتھ ہموار نہیں پاتے تھے اور یہ حیرت ناک بات ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد چوتھائی صدی گذر جانے کے بعد بھی قریشی قبائل حضرت علیؓ کے قریب نہیں آسکے اور یہ حیرت صرف ہمیں ہی نہیں بلکہ خود شیعہ کے مقتدر اہل علم بھی صورت حال کے اس نظارہ سے دنگ ہیں وہ ایک طرف تو حضرت علیؓ کو وصی رسولؐ کہتے ہیں اور دوسری طرف اُن کو یہ ماننے بغیر بھی چارہ نہیں کہ

"قریش نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے مقابلہ میں عجیب وغریب رویہ اختیار کیا ہوا تھا اور وہ آپ کی ولایت اور خلافت کو ناپسند کرتے تھے ... حضرت علیؓ کی بیعت خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پچیس برس بعد ہوئی ہے یہ اتنا لمبا عرصہ ہے کہ خاندانی جھگڑے اور موروثی عداوتیں بالعموم اتنے لمبے عرصہ میں ختم ہو جایا کرتی ہیں اور دلوں کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے کیونکہ اس عرصہ میں پرانے لوگوں کی جگہ نئی نسل لے لیتی ہے جسے آبائی جھگڑوں سے زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی، لیکن حضرت علیؓ کے معاملہ میں ایسا نہیں ہوا۔

جونہی آپ نے خلافت سنبھالی تمام عرب آپ پر ٹوٹ پڑا۔

اگر اتنی طویل مدت گذر جانے کے بعد بھی قریش کی حضرت علیؓ سے مخالفت کا یہ حال ہے تو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد خلافت اُنہیں تفویض کر دی جاتی تو نہ معلوم کس قدر ہیجان اور اضطراب بپا ہوتا (کتاب علی اور عائشہ بحوالہ ابن الحدید شرح نہج البلاغۃ)

ایک شیعہ فاضل کے قلم سے حالات کا یہ تجزیہ یقیناً سند کا درجہ رکھتا ہے اور یہ امر بے حد لائق تحسین ہے کہ آدمی کسی قیمت پر بھی عدل و انصاف کو عصبیت جاہلیہ کی چھری سے ذبح کر دینے پر آمادہ نہ ہو۔

مگر اس معدلت گستری کا حقیقی حسن مصنف کا وہ ایمان افروز عقیدہ ہے جو اس نے حالات کے اس بے باک تجزیہ کے نتیجہ میں قبول کیا ہے جب وہ کہتا ہے کہ :-

اگر ایسا ہو جاتا (یعنی ابوبکرؓ کی جگہ حضرت علیؓ کو حضور کا جانشین بنا دیا جاتا) تو دین میں ایک فتور مچ جاتا شریعت نابود ہو جاتی جاہلیت دوبارہ اپنے پاؤں جمالیتی اور اصلاح کا جو

عظیم الشان کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئس برس کی طویل مدت میں سرانجام دیا تھا وہ ایک مہینہ کے اندر اندر ناپید ہوجاتا یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت تھی کہ اس نے صحابہؓ کے دل کو اور طرف پھیر دیا اور انھوں نے حضرت علیؓ کو چھوڑکر حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنالیا (علیؓ اور عائشہؓ ۱۰۲ بحوالہ ابن الحدید شرح نہج البلاغۃ)

سبحان اللہ کیا سچ ہے ؎

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں ★ زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

بنو ہاشم کی قسمت جاگ اٹھی :

یہاں تعمیر اور تخریب دونوں پہلو بہ پہلو چلتی ہیں اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ موت کے خرابوں سے حیات کے چشمے پھوٹ نکلے اور تخریب نے تعمیر کو خوش آمدید کا تحفہ پیش کیا۔

تاریخ میں ایسے واقعات کی کمی نہیں کہ کسی کی زندگی کے کھنڈرات دوسرے کے لئے شبستان عیش و نشاط ثابت ہوئے اور ایک کے مہلک انجام نے دوسرے کو حیات کی شادابیاں بخش دیں یہاں بھی کچھ ایسا ہی قصہ گذرا ہے حضرت عثمانؓ کی امارت اور خلافت جسے بنو ہاشم نے بنو امیہ کا غلبہ قرار دے رکھا تھا زوال پذیر ہوئی تو بنو ہاشم کے دن بھی پھر گئے۔

عبداللہ بن سبا نے نعرہ بلند کیا کہ "اہل بیت رسول کا حق فائق ہے" اور آج اس نعرہ میں بلا کی تاثیر تھی اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے حالات کا رخ ہی پلٹ گیا تھا ورنہ یہی نعرہ حضور علیہ السلام کے یوم وفات سے اب تک برابر گونجتا رہا تھا مگر اس پر کسی نے کبھی توجہ نہ دی تھی لوگوں نے بنو ہاشم کی زبان سے نعرہ کو ہمیشہ سنا مگر اسے کبھی ان کے اخلاص پر محمول نہ کیا بلکہ اس کو ہمیشہ ان کے حصول اقتدار کا ایک بہانہ ہی قرار دیا، حالانکہ یہ نعرہ بلند کرنے والوں میں حضرت عباسؓ ایسے جہاں دیدہ اور گرم سرد چشیدہ بزرگ بھی شامل تھے بلکہ یہ نعرہ درحقیقت انہی کی ایجاد تھا جیسا کہ تاریخ اور حدیث سے ثابت ہے۔

مگر اب جب یہی نعرہ جسے بنو ہاشم بھی موثر نہ بنا سکے تھے، عبداللہ بن سبا کی تحریک کا ماٹو قرار پایا تو اس میں لذت موجود تھی۔

ابن سبا کو نہ علیؓ سے محبت تھی نہ عثمانؓ سے بیر اُسے اسلام کی شوکت اور اُس کے عالمی غلبہ سے کد تھی اُس نے مسلمانوں کا یہ ایک پہلو کمزور پایا تو اپنے حملے کا سارا زور اسی محاذ پر ڈال دیا۔

ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ حضرت علیؓ ابن سبا کی اس تحریک سے ہموار نہیں تھے، مگر باقی دُوسرے بنو ہاشم کو اس سے جدا رکھ لینا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

یہ فتنہ حضرت عثمانؓ کی آنکھوں کے سامنے اُچھلا بڑھا پھلا اور پھُولا ابن سبا نے پُوری اسلامی قلمرو میں حضرت عثمانؓ کے خلاف ہر جگہ زہر پھیلایا اُن کے خلاف جھُوٹ داستانیں تصنیف کیں اور اُس کے کارندے ملک بھر میں ان اباطیل کو لیئے پھرتے رہے ملک کے اندر ملک کے سربراہ کے خلاف جذبات بُغض و عناد کی آندھی چل رہی تھی مگر مُلک کے سربراہ حضرت عثمانؓ کا تحمل اور اُن کی بُردباری ابھی تک فتنہ کاروں کو سختی سے کچل دینے پر راضی نہیں تھی وُہ اپنی نرم مزاجی کے باعث قتل گاہ میں پہنچ کر بھی قاتل کے بازوؤں کو شل کرکے رکھ دینے پر آمادہ نہیں تھے حالانکہ وُہ اس ہمت سے بہرہ ور بھی تھے وہ بس دیکھتے ہی رہے اور دُشمن کا کام جاری رہا یہاں تک کہ معاملہ بے قابُو ہوگیا۔

جب صُورتِ حال بہت خراب ہوگئی اور ملک کا ہر گوشہ ان کے خلاف احتجاج و اضطراب سے بس گیا تو حضرت عثمانؓ نے اہل فکر و نظر کے اصرار پر حج کے دنوں میں اپنی قلمرو کے اکابر و اعاظم کی ایک کانفرنس بغرض مشورہ طلب کی تاکہ سبائی فتنہ کے مقابلہ میں کوئی مؤثر راہ عمل تجویز کی جائے۔

یہی اجتماع اہل فکر و نظر ہی درحقیقت حضرت عمرو بن العاص کی بدنصیبی کے محل کی خشت اوّل بنا ہے اور ان کی حرماں نصیبی کی کہانی یہیں سے شروع ہوتی ہے، اس مجلس مشاورت میں جو لوگ شریک تھے اُن میں حضرت امیر معاویہؓ۔ حضرت عمرو بن العاص، حضرت سعید بن وقاص اور حضرت عبداللہ بن سعد بہت زیادہ نمایاں تھے اور اُنہی لوگوں کی زوردار تقریروں کے باعث یہ فیصلہ ہوسکا کہ مفسدین کے خلاف سخت قدم اُٹھایا جائے اُن کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھی جائے اور تحقیق کے بعد جن کے خلاف جرم ثابت ہوا نہیں سلطنت کا باغی قرار دے کر قتل کر دیا جائے۔

یہ فیصلہ عمرؓ کے سخت دباؤ اور امیر معاویہؓ کی سرگرم حمایت اور پُرجوش تائید کا ہی نتیجہ تھا ورنہ حضرت عثمانؓ اب بھی اس حق میں نہیں تھے کہ اس تحریک کے خلاف طاقت استعمال کی جائے۔

عمرؓ نے مورّخین کے مطابق دوران تقریر یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ان مفاسد بلکہ مہالک کے وجود پانے کا اصلی سبب درحقیقت امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کی سے ضرورت سے زیادہ بردباری اور نرم مزاجی ہی ہے ورنہ یہ سارے ہی لوگ فاروق اعظم حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں بھی موجود تھے مگر کسی کو دم مارنے کی بھی جرأت نہیں تھی ان سب کی ہمتیں آبلہ پا بنی بیٹھی تھیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جو آگے بڑھ کر حضرت عمرؓ سے آنکھ ملاتا، مجلس مشاورت یہ تجویز پاس کر کے برخاست ہوئی اور اس قرارداد کو عمل کے لیے حکومت کے سپرد کر دیا گیا مگر اس کا کیا جائے کہ حضرت عثمانؓ ابھی انتظار کی طرف ہی مائل رہے اُن کی حوصلہ مندی آگے بڑھی اور وہ پھر طرح دے کر نکل گئے اور اس تجویز پر اس لیے عمل کرنا پسند نہ کیا کہ اس طرح مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا ہی خون بہہ جائے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیت کی صالحیت اور طینت کی پاکیزگی کا اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں مگر بالآخر اُن کی حوصلہ مندی اور بردباری کا نتیجہ وہی نکلا جو متوقع تھا اور اس مرحلہ پر بجز اس کے کچھ اور کہنا ممکن نہیں کہ تقدیر کا فیصلہ یہی تھا ورنہ یہ بات نہیں کہ حضرت عثمانؓ کی چشم بصیرت اپنی اس سوچ کے طبعی اور ناگزیر انجام کو دیکھ نہیں پاتی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی شہادت کی اُس محبوب تر ساعت کو جلد از جلد پا لینے کے لیے بے چین تھے جس کی خبر انھوں نے رسُولِ مقبول کی زبانِ الہام ترجمان سے اپنے کانوں سُن رکھی تھی۔ وہ اب بوڑھے ہو چکے تھے اور زیادہ دیر تک حضور علیہ السلام کی جدائی کو سہنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتے تھے وہ جانتے تھے کہ یہ وہی دن ہیں ہیں جن کی خبر حضور نے دی تھی اور یہ وہی فتنہ ہے جس کے نتیجہ میں مری شہادت مقدر ہے بنا بریں انھوں نے حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے اپنے آپ کو ہی حالات

کے سپرد کر دیا۔

البتہ اُنہیں ایک مجبوری ضرور تھی کہ وُہ کسی کے کہنے سے خلافت کی عبا کو از خود اُتارنے کے لیے تیار نہیں تھے کیونکہ اُنہیں اُن کے محبوب کا یہی حکم تھا وُہ صرف حکم بند ہی بن رہے تھے اور حکم کے مطابق ہی کرتے رہے یہاں تک کہ وُہ ساعت آ پہنچی جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا تھا۔

حضرت عثمان رض تو اپنا معاملہ تقدیر کے سپرد کر کے خاموش تھے مگر عمرو رض کی روشنیٔ طبع اُن کے لیے بلا بن گئی یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ سبائیوں نے اپنی تحریک کو کامیابی کی منزل سے ہمکنار کرنے کے لیے حُبِّ علی رض اور حُبِّ اہل بیت رض کو اپنی تحریک کا ماٹو اور نعرہ بنا رکھا تھا۔

دُوسری طرف عمرو بن العاص رض اور امیر معاویہ رض تھے جو اس تحریک کے کھلے دُشمن اور متشدد معاند کے بطور شہرت پا چکے تھے،

اب اس مرحلہ پر "حُبِّ علی رض" خواہ اپنے اندر لوگوں کے لیے فی نفسہٖ کوئی بھی کشش نہ رکھتی ہو جب بھی چونکہ اب عثمان رض منظور نہیں تھے تو لوگوں نے اب علی پر ہی جمع ہونا تھا۔ اور پھر عثمان رض کو ترک کرنے کی مہم میں "حُبِّ علی رض" کا نعرہ اب اثر و نفوذ بھی حاصل کر گیا تھا اور کتنے ہی عرصہ تک لگاتار ایک نعرہ کو اختیار کیے رکھنے کی وجہ سے اس نعرہ کے ساتھ نعرہ لگانے والوں کی عصبیت بھی قائم ہو چکی تھی بنابریں سبائیوں کے لیے لوگوں کو یہ باور کرا دینا کچھ بھی مشکل نہیں تھا کہ اس تحریک کے مخالف دراصل علی رض کے مخالف اور اہلِ بیت کے دُشمن ہیں ورنہ وُہ اہل بیت رض اور علی رض کے حق میں اُٹھنے اور چلنے والی تحریک سے دُشمنی اور مخالفت روا نہ رکھتے۔

یہ خیال لوگوں کی عقل کو اپیل کرتا تھا اور نتیجہ یہ ہُوا کہ لوگ سبائیوں کے حسبِ منشا عمرو بن العاص رض کو سچ مچ حضرت علی رض کا ہی دشمن سمجھنے لگے اور عمرو رض کے خلاف لوگوں کے اندر خصومت اور عناد کی زمین ہموار ہونے لگی۔

دوسرا سبب :

پھر جب سبائی فتنہ کاروں کی کامیابی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رگ جان کاٹ دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کی عنان سنبھالی تو عمرؓ کے خلاف اس عناد کی آگ کو ہوا ملنے کا ایک اور موقع پیدا ہوگیا، علیؓ کے پہلے خلافتی خطبہ کے متصل ہی لوگ ان کی قیام گاہ پہ پہنچے اور عثمانؓ کے قتل کا قصاص طلب کیا، حضرت علیؓ نے اپنے حکمتی مصالح کی مجبوریاں پیش کیں اور لوگوں کو کچھ عرصہ تک انتظار کی تلقین کی مگر بدقسمتی سے لوگ حضرت علیؓ کی اس تلقین سے مطمئن نہ ہوئے اور پھر یہ مطالبہ عام طور پہ ہی کیا جانے لگا اس مطالبہ میں قوت اُس وقت پیدا ہوئی جب اس مطالباتی تحریک کی قیادت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نے سنبھالی اور وہ پورے جنگی سازو سامان کے ساتھ خود قاتلوں کے تعاقب میں نکل آئے۔

حضرت امیر معاویہؓ جو حضرت عثمانؓ کے قریبی ورثاء میں تھے اپنی جگہ پہلے ہی خونِ عثمانؓ کا بدلہ طلب کر رہے تھے وہ شام کے حاکم تھے اور اُن کے مطالبہ کی پشت پر شام کا پورا ملک موجود تھا، اب ایک طرف تو حضرت امیر معاویہؓ اور اُن کے ساتھیوں کی طرف سے عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے قتل کا الزام ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ پہ رکھا جا رہا تھا اور اگرچہ حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں اس گناہ میں شرکت سے بار بار اظہار برأت کیا اور جب بھی یہ بات اُن تک پہنچی اُنھوں نے یہ الفاظ ہر بار دہراتے کہ نہ میں نے عثمانؓ کو قتل کرایا، نہ قاتلوں کی امداد کی اور نہ ہی اس قتل سے میں خوش ہوا۔

مگر بدنصیبی یہ تھی کہ قاتلین عثمانؓ کی ایک معتدبہ تعداد حضرت علیؓ کے طرف داروں کی حیثیت سے اُن کے لشکر میں موجود تھی اور ایک طرف تو وہ فی الحال قصاص لینے کے حق میں نہیں تھے اور دوسری طرف وہ قاتلین عثمانؓ کو اپنے ہاں پناہ دینے اور اُن سے اپنے لیے حمایت حاصل کئے رکھنے کو بھی نامناسب نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ موقف قصاص طلب لوگوں کے نزدیک قطعی ناقابلِ فہم تھا

اور وہ لوگ اس سلسلہ میں اُن کی کوئی بھی تاویل ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

اور عمرؓ کی حرماں نصیبی یہ تھی کہ وہ بھی دُوسرے بے شمار مسلمانوں کی طرح اپنے آپ کو حضرت علیؓ کے موقف سے ہموار نہ بنا سکے تھے بلکہ اُنھوں نے دُوسرے بے شمار مسلمانوں کی طرح ہی حضرت علیؓ سے اختلاف کا اظہار بھی دُوسروں کی ہی طرح برملا کیا اور وہ بھی حضرت عثمانؓ کے اس جارحانہ قتل کے خلاف احتجاج کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔

اب یہ ایک اور بدقسمتی تھی کہ حضرت علیؓ نے اس قصاص طلبی کو اپنی حکومت کیخلاف بغاوت قرار دیا اور اُن لوگوں کے خلاف خروج مناسب سمجھا جو یہ مطالبہ لے کر اُٹھے تھے اور پھر یہی کش مکش جنگ کی صُورت میں بدل گئی، حضرت عثمانؓ کے خُون کی قصاص طلبی کا معاملہ ایک مثبت مطالبہ تھا اور قیاس چاہتا ہے کہ حضرت حسنؓ کے مشورہ کے مطابق اگر حضرت علیؓ قصاص طلب لوگوں کے مزاحم نہ ہوتے تو شاید اُنہیں فریق جنگ بن جانے کا مرحلہ بھی پیش نہ آتا اور حامیانِ قصاص کی تلواروں کا رُخ بھی بخطِ مستقیم قاتلین عثمان رضی اللہ کی طرف ہی مُڑا رہتا یہاں تک کہ وہ اپنا مقصد پا لیتے مگر حضرت علیؓ کے سامنے آجانے کی وجہ سے نہ صرف حضرت علیؓ کی خلافت ہی ایک متنازعہ فیہ مسئلہ بن گئی بلکہ اسلام کی کمان میں چڑھے ہُوئے تیر کا ہدف بھی ہمیشہ کے لیے بدل گیا اور ہم نے اس کش مکش کے نتیجہ میں پھر جمل اور صفین کے سوائے کچھ نہ پایا، عمرؓ کی علیؓ دُشمنی کے ثبوت میں اگرچہ حالات کی یہی ایک ستم ظریفی کفایت کرتی تھی مگر یہاں تو اس غرض سے زمین پہلے ہی ہموار تھی اور عمروؓ کے خلاف معاندانہ روایات کے اختراع کا جواز کھلے طور پر موجود تھا اور پھر اس عنوان سے جو کچھ سامنے آیا وہ غیر متوقع نہیں ہے۔